ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مزاحمتی ادب: اردو ناولوں میں بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی

(Resistance Literature: Representation of Basic Human Rights in Urdu Novels)

ڈاکٹر اسد محمود خان

پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:
In contemporary Urdu literature, narratives of resistance stand as poignant testaments to the enduring struggle for human rights. This research article embarks on a compelling drive through the pages of selected Urdu novels, meticulously examining how they portray the myriad struggles against oppression, injustice, and discrimination. Through a qualitative lens, the study dissects storytelling techniques, delves into character intricacies, and disentangles thematic undercurrents to unravel the profound impact of Urdu literature on human rights advocacy. In the heart of these narratives lie tales of resilience, where protagonists navigate the labyrinth of societal constraints to reclaim their dignity and rights. Characters emerge not merely as figments of imagination but as embodiments of collective aspirations, challenging the status quo with unwavering resolve. Through their trials and triumphs, Urdu literature echoes the silenced voices, amplifying the cries for justice that reverberate across generations. Key to this exploration is the recognition of literature as a powerful tool for social transformation. Urdu novels, with their vivid imagery and emotive storytelling, serve as catalysts for societal introspection and mobilization. They inspire empathy, incite action, and sow the seeds of solidarity among readers, transcending linguistic and cultural barriers. In this pursuit of understanding, the study illuminates the transformative potential of Urdu literature, affirming its place as a vital conduit for social change. Through its findings, it seeks to galvanize broader conversations on human rights, fostering a future where every voice finds resonance in the pages of justice and equality.

Key Words: Resistance Literature, Contemporary, Narratives, Human Rights, Urdu Novels,

(1)

ادب کیا ہے اور اس کا انسانی فکر و شعور کی بالیدگی، اجتماعی تشکیل و تعبیر اور سماجی ارتقاء و منزل کی سمت سفر میں کیا کردار ہوتا ہے۔ ادب، انسانی تجربات، احساسات اور کیفیات کے اظہاریے کی ایک ایسی خوب صورت، معتبر اور قبول صورت ہے جو اپنے آغاز سے انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں میں تخلیق، تخلیق کار اور قاری کی تکوین کی تاثیر سے فکر و شعور کو مسحور کرتی اور روح کو جھنجوڑتی ہے۔ اظہاریہ، احساس اور خیال کی باہمی وارفتگی دراصل ادراک کی تفہیم تک رسائی کا معاملہ ہوتا ہے۔ احساس کے دامن میں تین بنیادی عناصر شامل ہیں: باطنی تجربہ، نفسیاتی ردِ عمل، طرزِ عمل یا اظہاری ردِ عمل، جو مل کر شدتِ جذبات کے درمیان اظہار کی صورت بناتے ہیں ۔ باطنی تجربہ ایک زاویہء نگاہ کی تصویر سے فکر و شعور کے جذب و کیف سے معاشرتی تعبیر تک یا کہیں کہیں اِس سے بھی زائد کا مرحلہ ہوتا ہے جو اظہار کی پہلی خواہش اور کوشش کا قضیہ نبیڑتا ہے۔ احساس اور خیال کی باہمی وارفتگی پر وَاہونے والی ادراک کی کھڑکی کا پہلا منظر نفسیاتی ردِ عمل، طرزِ عمل یا اظہاری ردِ عمل کی تخلیق ٹھہرتی ہے جو تخلیق کار کی شدتِ جذبات کا حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح تجربے کا میدان وسیع ہوتا ہے، اُسی طرح تخیل اور تخلیق کا میدان بھی ایک بحرِ بیکراں کی صورت تخلیق کار کے سامنے کھلتا اور بڑھتا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔ حسین لکھتے ہیں:

> "ادب انسانی شعور کی توسیع کرتا اور نظامِ جذبات میں ایک طرح کی فنکارانہ ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے سے بنیادی تصورات کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش دراصل نظامِ افکار میں عقیدے کی جیسی ہے۔" (1)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جالبی ادب اور معاشرے کی باہمی جڑت کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ادب زندگی میں نئے معنی تلاش کرنے کا نام ہے اور اسی لیے ادب زندگی کا شعور کا نام ہے اسی شعور کے ذریعے ہم بدلتے ہیں ہم وہ نہیں رہتے جو اس وقت ہیں اور اسی سے ہمارے اندر قوت عمل پیدا ہوتی ہے زندگی کیسی تجربے جن سے ہمیں کبھی واسطہ نہیں پڑا ادب کے ذریعے براہ راست ہمارے تجربے بن جاتے ہیں اور ہمیں اور ہمارے انداز فکر کو بدل دیتے۔" (2)

ٹرلنگ نے تخلیقی صلاحیت اور لاشعور کے حوالے سے لکھا ہے:

"معاشرہ ایک ایسی چیز ہے جو اس وقت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ مستقبل میں، اور اگر کوئی شخص تجسس سے پوشیدہ چیزوں کی چھان بین کرنا چاہتا ہے۔ عصر حاضر کی روح، ایک وسیع جمہوریت اور خاص طور پر حقیقت سے سرشار شخص کو اسے حقیر سمجھے بغیر ایسا کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔"(3)

ایک طرف ہمارے گرد و پیش ماحول اور ماحول میں ہونے والی تبدیلیوں کا واسطہ یا بالواسطہ اثر، خیال کو جنم دیتا ہے جس کے ایک کنارے پر تخلیق کار اور دوسرے پر تخلیق خود کا وجود کھوجنے، سوچنے اور سنوارنے کی کوشش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔ دوسری جانب حسیات کے مقابل رویے کا اظہار، تخلیق کار کا وصف ہوتا ہے جو کسی بھی صورتِ حال پر مثبت یا منفی رویے کو زبان و بیان کے قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتا ہے۔ تخلیق، طرزِ عمل یا ردِ عمل، دونوں صورتوں میں سماج و معاشرت روش اور اخلاقیات کا نفسیاتی، تہذیبی اور فکری مکالمہ اور مقالہ کی عملی صورت ہوتی ہے۔ سماجی جڑت اور نفسیاتی عکاسی، فکر شعور کی راہ بناتی ہے جو تخلیقیت کی کٹھالی کا محصول سمیٹ کر تہذیبی و ثقافتی شعور کی راہ ہموار کرنے کا قصد کرتی ہے۔ ریت، رواج اور معاشرت، انفرادی و اجتماعی سماجی حسیات و حیثیات کی تربیت سے ایک فکری شعور کی تربیت کا مرحلہ طے کرتے ہیں جہاں ثقافتی و تہذیبی شعور کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ فاروق لکھتے ہیں:

"تخلیقِ فن کا عمل ایک ایسا وجدانی اور سیلانی قسم کا تجربہ ہے کہ گزر چکنے کے بعد اس کا تجزیہ تو ایک طرف، بازیافت بھی کماحقہٗ ممکن نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی نوعیت یا کیفیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں تخلیقِ فن کو اس کے نتائج و عواقب سے ماورا ہو کر خود فنکار کے محسوسات کے آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔"(4)

آغا فن، فنکار اور فنکارانہ عمل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"تخلیقی عمل وہ عمل ہے جس کی مدد سے انسان اپنے ہی وجود کی بامشقت قید سے رہائی پاتا ہے۔ بالکل جیسے کوئی شے کسی مدار میں مسلسل گھومتے چلے جانے کے بعد معاً لپک کر ایک نئے اور کشادہ تر مدار میں چلی جائے۔" (5)

ادب اور معاشرے کی باہمی جڑت تہذیب و ثقافت کی تعمیر و تعبیر، اطوار و اقدار کی تشکیل و ترویج میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ فرد اور شناخت، معاشرت اور سماج کی بنیادی اکائی ہے جب کہ ادب اس بنیادی اکائی کی فکری تعبیر و تعمیر کا معاملہ ٹھہرتا ہے۔ یہاں فرد، منفرد خیال کی اور افراد، اجتماعی شعور کی پرورش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ٹھہری ہے کہ اکیلپن اور علیحدگی کی زندگی بے معنی تصور کی مصداق ہوگی البتہ باہمی تعلق داری، وابستگی اور اجتماعیت کے دائروں میں معاشرت کا وجود نہ صرف تشکیل پاتا ہے بلکہ اپنی تمام تر حسیات کے ساتھ ایک توانا، متحرک اور متنوع تہذیب و ثقافت کا دائرہ کار بھی وضع کرتا ہے۔ عبدالباری لکھتے ہیں:

"زندگی کی تعبیر معاشرے کے بغیر اور معاشرہ کی معنویت ثقافت کے بغیر انسانی فہم کے لیے بے معنی ہے۔ اس لیے کہ فرد اس ساخت اور نظام سے بالاتر ہو کر اپنے تجربات اور تصورات کو پروان نہیں چڑھا سکتا جس کا وہ خود ایک جزو ہے۔ "(6)

میکاور اور پیج معاشرتی تشکیلی رویوں بارے لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"معاشرہ انسان انسانی کردار پر پابندیوں اور آزادیوں سے متعلق ایک ایسا نظام ہے جس نے مستعملات، طریقہ جات، اختیارات اور باہمی تعاون نیز مختلف گروہوں اور طبقوں کا مرکب پایا جاتا ہے۔ اس مسلسل بدلتے رہنے والے مرکب نظام کو معاشرہ کہتے ہیں ۔" (7)

ادب، ادیب اور معاشرے کی تکوین میں ایک باہمی تعلق اور ربط موجود ہوتا ہے جو تخلیق اور تخلیقی عملی کی گتھی سلجھانے میں اپنا کردار ادا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ادب اور معاشرتی جڑت کا باہمی تال میل سلجھاتے ہوئے چار یہ رقمطراز ہیں:

"اگر ہماری زبان کے الفاظ کے خزانے سے صرف چند دنوں دلچسپی لی جائے، ان کی بناوٹ، لب ولہجہ، چال چلن اور بدلتے ہوئے روپ پر نظر ڈالی جائے تو چند دنوں کے بعد ہی الفاظ بولنے لگتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ وہ کیوں کر وجود میں آئے اور انہوں نے رفتار زمانہ کے ساتھ کتنا طویل سفر کیا اور ایک زبان سے دوسری زبان میں داخل ہوئے۔"(8)

معاشرے کی بنیادی کردار انسان نے باہمی معاملات کی ترصیل تفہیم اور تشہیر کے لیے مشتری کا صلاحیت حسیات کی نمائندہ زبان ادب اور ادبی تعاملات کی قبول صورتی کو کا معاملہ طے کیا اور یوں لفظ جملوں میں، جملے ترتیب اور ترنم میں اور ترتیب و ترنم نے تخلیقی اظہاریہ کی متنوع صورتوں اور اصنافِ ادب کو جنم دیا۔ یوں معاشرتی دائرے کے درمیان زبان وادب ایک علامتی ترسیل سے اظہاری تعبیر تک کی قبول صورتی سے گزرنے کے بعد معاشرتی رویوں اور تہذیب و ثقافت کی بنیادی اکائی کے طور پر نمایاں ہوگئی۔ اظہاریہ کہ ایسی قبول صورتی نے بلا تعامل، خیال اور تخیل کی وارفتگی کے درمیان اجتماعی فکر و شعور کی بالیدگی کا معاملہ طے کیا اور معاشروں کی مجموعی تشکیل و تکمیل حاصل کی۔

(2)

مزاحمتی ادب کیا ہے اور مزاحمتی ادب کیوں کر ادب میں ادیب، معاشرہ اور سماجی کردار و رویہ کے بارے تعاملاتی اظہاریہ کے ایک منفرد روپ کی صورت ہوتا ہے۔ شاید! ادب، ادیب اور سماج کی باہمی جڑت کا معاملہ ہوگا یا تخلیق، تخلیق کار اور قاری کے درمیان کی تعلق داری کا سلسلہ ہوگا یا پھر یہ بھی ہو سکا ہے کہ احساسات و جذبات کی لو میں جنم لیتے اظہاریے کی تشکیل و تکمیل کا حوالہ ہوگا۔ یقیناً ایسی کسی بھی صورت جس کی ایک سرے پر تخلیق کار اور دوسرے سرے پر قاری کا وجود ایک مشترکہ سماج کے درمیان ترتیب پانے والی ناروا حقیقتوں، ناانصافیوں اور مصائب و آلام کی صورتوں کی ایسی ہی کوئی ایک وجہ مزاحمتی رویے کی پیش کاری کا سبب ہوتی ہے۔ اگرچہ مزاحمتی اظہاریہ، ادب اور اردو ادب کی پہلی تخلیق سے ہی جڑا ہوگا البتہ باقاعدہ طور پر اردو ادب میں اس کا تشکیلی دور جدیدیت کی تحریک کے بعد زیادہ پُرفعال دکھائی دیتا ہے۔ مزاحمتی ادب وہ فن ہے جو معاشرتی اور سیاسی مسائل کو انسانیت کے زاویہ سے دیکھنے اور ان پر اظہار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ ادب کا ایک اہم شعبہ ہے جو انصاف، امن، اور انسانی حقوق کے لیے آواز اٹھاتا ہے۔ مزاحمتی ادب کے کردار معاشرتی تبدیلی کے ایجاد کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ کردار عموماً مختلف طبقات کی زندگیوں، مشکلات، اور خواہشات کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے، مزاحمتی ادب نے انسانیت کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر حرکت دی ہے اور ایک زیادہ انصافی اور بہتر معاشرتی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسے معاشرتی مسائل جو عموماً اندھیرے میں چھپے رہتے ہیں، مزاحمتی ادب ان کی روشنی میں لاتا ہے۔ یہ ادبی فن کی قدرتی اور شاعرانہ روشنی ہے جو انسانیت کو ایک اور نظریہ فراہم کرتی ہے اور انسانیت کے مقاصد کی تلاش میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

امجد مزاحمتی ادب کی عمومی توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عمومی معنوں میں ادب ہوتا ہی مزاحمتی ہے کہ ادیب موجود صورتحال اس کے جبر و استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ اس حوالے سے اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو شمالی ہند میں شاعری کا آغاز ہی مزاحمتی رویے سے ہوا ہے۔"(9)

ہارلو مزاحمتی ادب کو تاریخی یادداشتوں کی ایک محفوظ صورت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"مزاحمتی ادب، آرٹ کا ایک دائرہ کار ہے جو تحریکوں کو مزاحمتی کہانیوں کو باہم مکالمہ کرنے اور انہیں تاریخی یادشتوں میں محفوظ بنانے کی سہولت دیتا ہے۔ " (10)

احمد ایک ادیب کے جذبات و احساسات سے پھر پور اظہاری رویہ کو مزاحمت کا شاخسانہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"ادب تخلیق کرنا بذات خود ایک مزاحمتی عمل ہے کیوں کہ ادیب اپنے گرد و پیش سے موافقت نہیں کر پاتا اور اس کش مکش کی بنیاد پر وہ ادب تخلیق کرتا ہے۔ یوں ایک طرح سے تو سارا ادب مزاحمتی ہے اور ہر ادیب باغی۔"(11)

دنیا ئے عالم میں مجموعی طور پر ادب کی متنوع جہات میں اختلاف رائے، احتجاجی رویے اور پسے ہوئے طبقات کی آواز کو تخلیقی اظہاریہ کی صورت ادا کرنے کا وصف جہاں تخلیق کاروں کی سماجی جڑت کا ثبوت فراہم کرتا ہے وہاں احساس و خیال کی باہم ورفتگی کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ معاشرتی رویوں کے درمیان ناموافقیت دراصل احتجاج اور بدلاؤ کی خواہش کا معاملہ ہے جو روایت سے انحراف اور عمومیت کے مقابل اجتماعیت کی صورت ہوتا ہے۔ ادب کی تاثیر کا بنیادی وصف دیکھا جائے تو اس میں تسکین و تحسین کے جذبات سے زیادہ قوی تر احساسات، متحرک خیالات، اختلافات اور اظہاریہ کا پر فعال جذبہ ہوتا ہے جو کسی طور ایک صاحبِ ادراک تخلیق کار کو عمومیت کے سامنے راہ فرار کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ امید، کوشش اور مزاحمت کی روشنی بن کر لفظوں سے جھانکنے لگتا ہے۔ اگرچہ یہ اختلافی جذبہ سماجی، معاشرتی اور انسانی تعاملات کے درپیش صورتوں میں سے کسی ایک صورت یا جذبے پر انفرادی رد عمل بھی ہو سکتا ہے اور اجتماعیت کی آواز بھی ٹھہر سکتا ہے، بہر طور دونوں جذبوں کے پیچھے کار فرما بنیادی عناصر میں ایک فطری ، سماجی اور جذباتی کیفیت کا پر فعال ہونا لازم ہوتا ہے۔ یہاں انسانی نفسیات کی معاملات کی گتھی سلجھانے کی کوشش بھی دراصل ایک مضبوط اور توانا مزاحمتی صورت کا معاملہ ہے۔ اگرچہ مزاحمتی رویوں کی اظہاری صورتوں میں متنوع الجہاد اور کثیر العمل ہے تعاملات کا ارتقائی منظر نامہ، مجموعی مزاحمتی ادبی منظر نامے کی صورت ہوتی ہے۔

اردو ادب میں مزاحمتی روایت کا اولین نمونہ جعفر زٹلی کی شاعری میں دیکھنے کو ملتا ہے جب "سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر" جیسا مصرع مطلعِ غزل ہی نہیں بنتا بلکہ مزاحمتی ادب کا سورج بن کر بھی طلوع ہوتا ہے۔ بعد ازاں محمد شاہی دور میں ایہام گوئی کی شعری روایت کے درمیان سودا کا اظہاریہ اسی روایت کا ارتقائی مرحلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ حتی کہ محبوبیت سے بھرپور شعری دامن میں نہاں و عیاں ، اس جذبے کی صورت اپنی جگہ بناتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ سر سید احمد خان کی تحریک اگرچہ ایک سیاسی منظر نامے میں تبدیلی کی خواہش کا معاملہ تھا لیکن اظہاریہ کی صورت قلم و حرف سے جڑی ہونے کے سبب اسے اردو مزاحمتی ادب میں شمار کیا جانا لازم ٹھہرتا ہے۔ ترقی پسندانہ تحریک، جدیدیت کی علامات اور خصوصاً تقسیم کے آس پاس کی شعری و نثری صورتوں کے درمیان ایسی مزاحمتی پیش کاریوں کی ایک طویل فہرست ،اردو ادب کے حصے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تقسیم سے دَر آنے والے مصائب و آلام اور پے در پے جبر و تسلط کے ادوار کی صورتوں نے مزاحمتی ادب میں متنوع الجہات ادبی اظہاریہ کو پروان چڑھایا اور اس صنف میں نئی تشکیلات کو فروغ دیا ہے۔

عارف لفظ و حرف اور ادیب کو دنیا میں نفاذ خیر و عدل، فروغ و حسن و خوبی، احترام و اعترافِ عظمتِ انسان اور ترویجِ اقدار آدمیت کی غرض سے تاریخِ آدم و عالم میں ہمیشہ ممتاز و محترم حیثیت کا حامل خیال کرتے ہیں۔ ادب اور ادیب کی اولین ذمہ داری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"لفظ، خالق کائنات کی ایک عظیم نعمت بھی ہے اور خلق خدا کی امانت بھی۔ حقوق انسانی کی سربلندی اور سرفرازی کی خاطر اور آزادی، امن اور حق کی ثبات و قیام کی جدوجہد میں لفظ کا انتخاب ہمیشہ صاحبانِ علم و ہنر اور اہل دانش و بینش میں وجہ افتخار و تکریم گردانہ جاتا رہا ہے۔"(12)

رئیس "ادب میں اختلاف، انحراف اور احتجاج کی معنویت" میں رقمطراز ہیں:

"ادب کا ایک قوی محرک اختلاف اور انحراف کا جذبہ بھی ہے۔ حساس ادیب جب اپنے کسی معتبر تجربہ کو اظہار کی شکل دیتا ہے تو گویا وہ ایک اختلافی یا انحرافی عمل سے گزرتا ہے۔ اس میں دوسروں کی سوچ یا علم و آگہی سے ہٹ کر کچھ کہا گیا ہے یعنی اس کا تخلیقی تجربہ دوسروں سے اختلاف کا پہلو رکھتا ہے۔ " (13)

مزاحمتی ادب میں کئی مختلف انداز اور فنون کے استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ کہانیاں، ناول، شاعری، ڈرامے، اور افسانے وغیرہ۔ ان مختلف فنون کے ذریعے، مزاحمتی ادب نے مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی ہے جیسے کہ زندگی کی مختلف حقائق، سماجی اور سیاسی نظام، انسانی حقوق وغیرہ۔ جب کہ مزاحمتی ادب کا اہم ایک مقصد انسانیت کی خوشحالی اور انسانی حقوق کی حفاظت ہے۔ یہ ادبی زبان کا اہم حصہ ہے جو زندگی کی مختلف جھلکیوں اور مشکلات کو اجاگر کرتا ہے اور ان کا حل تلاش کرتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

بنیادی انسانی حقوق کیاہیں اور ادب بالعموم اور اردو ناول بالخصوص میں بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی کے خدوخال کیاہیں۔ انسانی رویوں کے کچھ طے شدہ معیارات، اخلاقی ضابطے یا اصول؛ انسانی باہمی تعاون اور مددگاری قوانین؛ عمومی طور پر قابل شناخت بنیادی حقوق جن کا ایک انسان فطری حق رکھتا ہے اور جو سبھی کو موروثی عطا ہیں؛ انسانی حقوق اپنی مرضی کے مطابق یا بین الاقوامی معاہدوں کے زیر اثر قائم کردہ طرز عمل کے معیارات کا نفاذ بھی ہیں؛ جب کہ سب سے مفصل تعریف اقوامِ متحدہ کے بل میں ملتی ہے جہاں کئی اہم بنیادی حقوق کی وضاحت کی گئی ہے جن میں انسانی آزادی اور برابری، بلا تفریق و تنسیخ حقوق، خود کی زندگی پر خود کا اختیار، غلامی سے نجات، تشدد اور غیر انسانی سلوک کی بازپرس، قانون کی یکساں دستیابی، مساوی عدل وانصاف، غیر اخلاقی قید وبند، آزادئ اظہار اور ذاتی زندگی جیسی اہم دفعات شامل ہیں ۔

ساہو "اردو ادب میں انسانیت اور حقوق انسانی" میں رقمطراز ہیں:

> "قدرت نے انسان کو سوچنے سمجھنے کے لیے عقل اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور تکلیف کو محسوس کرنے کے لیے دل دیا۔ اس کو گویائی عطا کی تاکہ اپنے دکھ درد اور احساسات کا اظہار کر کے اس کا مداوا کر سکے۔ انسان وہی ہے جس میں انسانیت ہو، ہر شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔"(14)

جہاں بنیادی انسانی حقوق اور انسانیت کا معاملہ کھولتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "انسان تو پیدا ہی درد دل کے لیے ہوا ہے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی اس کا مسلک، ایک دوسرے کے لیے جینا اور مرنا اس کا دین و ایمان بلکہ ایک دوسرے کے لیے اپنا مال و دولت حتیٰ کہ اپنی جان تک نثار کر دینا انسانیت کی معراج ہے۔"(15)

جدید انسانی حقوق کا قانون رسم ورواج اور نظریات سے تیار ہوا جس نے ریاست میں ایک فرد کے حقوق کو قائم کیا۔ ان حقوق کا اظہار قانونی طور پر دستاویزات میں کیا گیا تھا جس کی اولین صورت ہمیں امریکی "بل آف رائٹس آف" (1688ء)، امریکی ڈیکلریشن آف انڈیپنڈنس (1776ء)، امریکی بل آف رائٹس (1789ء) جو بعد ازاں امریکی آئین میں شامل کیا گیا اور فرانسیسی "ڈیکلریشن آف دی رائٹس آف ہیومن اینڈ سٹیزنز" (1791ء) جو بعد ازاں فرانسیسی آئین میں شامل کیا گیا، کے اولین مسودوں اور عملی صورتوں میں ملتی ہے۔ بنیادی انسانی حقوق ایک منصفانہ اور مساوی معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہیں جو انفرادی آزادی کو برقرار رکھتا ہو اور فرقہ وارانہ فلاح و بہبود کو فروغ دیتا ہو۔ یہ حقوق وقار، مساوات اور انصاف کے عالمگیر نظریات پر مبنی اور جغرافیائی و ثقافتی اختلافات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ تصورات نہ صرف قانونی ہیں بلکہ ان کی جڑیں عالمگیر انسانی تجربے میں خود مختاری، انصاف اور احترام کی فطری ضرورتوں کی عکاسی بھی پیش کرتی ہیں۔ بنیادی انسانی حقوق، ہمدردی اور اتحاد سے متعین معاشرے کو فروغ دینے میں معاون ہیں جو افراد کے درمیان قومیت، نسل، عقیدے اور عقائد سے پیدا ہونے والی تفاوتوں سے بالاتر ہو کر سماجی رویوں کی مجموعی پرورش کرتا ہے۔

ادب کی انسانی زندگی سے جڑت اور تاثیر کا معاملہ بنیادی انسانی حقوق کے معاملات کی مزاحمتی اور مفاہمتی صورتوں کی پیش کاری کا بہترین ذریعہ ہے جہاں ایک طرف سماجی ناانصافیوں اور بنیادی انسانی حقوق کی پامالی پر احتجاج، انحراف اور مزاحمت اپنا وجود بناتی ہے تو دوسری جانب ایسی محرمیوں اور کوتاہیوں کے درمیان مشاورت، لائحہ عمل اور عملی اقدامات کی سعی دراصل مفاہمت کی ایک متحرک اور توانا صورت کا حاصل ہوتا ہے۔ یوں تو سبھی اصنافِ ادب مزاحمتی اور بنیادی انسانی حقوق سے بھرپور تخلیقی اظہاریے کا دامن وسیع کرتی ہیں لیکن کہانی کی قبول صورتوں میں داستان، ناول اور افسانہ میں برتی جانے والی تخلیقی کاوشوں کو بنیادی انسانی حقوق کے لیے نمائندہ صنف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ ہم ایک کہانی میں ایک کہانی کار ہوتے ہیں۔ بے شک ہمارا سماج بڑے کینوس کی ایک کہانی کی قبول صورتی ہے جہاں فرد ایک ہی وقت میں کہانی کا کردار اور ایک ہی وقت میں کہانی کار بھی ہوتا ہے۔ یعنی کہانی، سماج کی کڑی ہے جو ہر بدلتے لمحے میں تخلیق سے گزرتی ہے البتہ کبھی تخلیق کار کہانی کا کشٹ سہتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی کہانی تخلیق کار پر کشف کھولتی ہُوئی دکھائی دیتی ہے۔ بہر طور دونوں صورتوں میں تخلیقی عمل کا حظ، تخلیق، تخلیق کار اور قاری کے لیے موجود ہوتا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے ساتھ جو پہلی شے توجہ اور کشش کا سبب بنی، وہ کہانی اور کہانی کار تھا۔ انسانی تخلیق کی پہلی خواہش پر اُتری خاموشی اور انہماک کی وجہ بھی کہانی بنتی ہے، یُوں فطری طور پر کہانی کی جڑت، انسانی رویوں میں شامل ایک غالب رویے جیسی ہے جو زمینوں، زمانوں کی مسافت و مسافرت سنبھالے کہانی در کہانی اور کہانی کار در کہانی کار منتقل ہوتی چلی جاتی ہے جس کا سفر ہنوز جاری بھی ہے اور باقی بھی ہے۔ یہ بھی حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ جب انسان نے سننے، کہنے یا سہنے کے تجربے کی صورت گری کی کوشش کی ہو گی تو زبان و بیان کی کسی بھی صورت میں یقیناً کہانی کی پہلی صورت گھڑی ہو گی۔ الدین لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"کہانی سے مراد وہ ادب پارہ ہے جس میں واقعات، تجربات، حادثات، احساسات اور جذبات کو مربوط طریقے سے پیش کرنے کی کوشش اور جس کا مقصد قاری کو جذباتی اعتبار سے ایک مخصوص سطح تک لا کر انھیں تجربات وواقعات سے گزرتے ہوئے مسرت کی ایک بے پایاں دولت سے مالامال کرنا ہے۔"(16)

بے شک باطن میں جاگنے والے کردار کی اَن کہی کہانیوں کا ادراک تخلیق کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے لیکن اِن اَن کہی کہانیوں کو سہنے اور کہنے کا عمل، دراصل تخلیقی عمل کہلاتا ہے جو ایک طرف برداشت کی اذیت سے نجات دلاتا ہے تو دوسری جانب کہانی کے زندہ وجود سے مکالمے کی صورت پیدا کرتا ہے۔ اینجلو ایک جگہ لکھتا ہے:

"اپنے اندر ایک ان کہی کہانی کو برداشت کرنے سے بڑا کوئی اذیت نہیں ہے۔"(17)

کہانی کے تخلیقی عمل اور کہانی کار کے تخلیقی عمل کے مشقتی حظ بارے ہیمنگوے لکھتا ہے:

" لکھنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، بس آپ صرف ایک ٹائپ رائٹر کے مقابل بیٹھ کر اپنا خون بہاتے ہیں۔"(18)

کہانی، تہذیب کی جڑت ہے اور کہانی کار کاغذوں پر سماج، معاشرے اور تہذیب کی کہانیاں نقش کرتا ہے۔ تہذیب کسی ملک، قوم یا معاشرے میں جنم لینے اور پھلنے پھولنے والے فکری شعور، فنون لطیفہ میں مہارت اور سلیقہ مندی، سیاسیات، نفسیات، زبان وبیان کی وسعت پذیری، ہمہ جہتی فلسفیانہ افکار ورجحانات، سماجی نظریات و معاملات، معاشرہ اور طرزِ معاشرت، اقدار، اخلاقیات، زمانی پھیلاؤ اور مادی ترقی کی منازل، اجتماعی زندگیوں میں توازن، انصاف اور بنیادی تقسیم کی ہم آہنگی ہوتی ہے جہاں طبقاتی تقسیم وترتیب، مختلف سماج اور مختلف طبقات کے لیے متنوع المزاج ہو سکتی ہے البتہ مخصوص تہذیب وثقافت کا وجود، فکر شعور اور تہذیبی شعور کا امتزاج واختصاص رہتا ہے۔ کہانی، کہانی کار پر کس لمحے وار ہوتی ہے یا کب کہانی کار کہانی کے مقابل پہنچ کر تخلیقی عمل کا کشٹ شروع کرتا ہے، اِس کا ادراک پہلے پہل کہانی اور کہانی کار کو ہی ہوتا ہے جو بعد ازاں قاری پر اپنی تاثیر لیے پہنچ جاتا ہے۔ یہ کہنا بھی قدرے مشکل ہو گا کہ کہانی کی تشکیل سے پہلے کہانی کار زبان وبیان کی کن قدروں کے درمیان تخلیقی بنت کرتا ہے البتہ ایک زاویہ نگاہ پر کھلنے والے خیال کی روشنی میں ادراک کی منزل طے پاتی ہو گی اور کہانی کا سندرتا جوبن، سراپا جوبن کی تعبیر لیے حاضر ہوتا ہو گا۔ کہانی کے سندرتا جوبن بھرنے تک کا تخلیقی عمل فکری شعور وآگہی کی تختی پر بنیادی خیال وخاکہ، کہانی بڑھانے والے کردار، زمان ومکان کی ترتیب، تنازعہ اور تعارض، کہانی کا پلاٹ اور پلاٹ نقشہ جس میں کہانی کا آغاز، کہانی کا پھیلاؤ، کلائمکس، کہانی کا گھٹاؤ اور نتیجہ، کہانی کی ہم آہنگی اور باہمی جڑت، مقصدیت، زبان وبیان اور ایک مضبوط ومربوط کہانی کی ترتیب وتقسیم درج ہوتی ہے۔

اردو ناول، کہانی کی قبول صورتی کی ایک جامع تصویر ہے جہاں ایک ہی احاطے میں کئی کہانیاں اور متعدد کردار اپنے اپنے انداز میں سماج اور معاشرت سے جڑی حسیات کے درمیان بنیادی انسانی حقوق کا علم بلند کرنے میں پیش پیش دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ کہانی، داستان سے ناول تک پہنچتے پہنچتے اتنی قدیم نہیں جتنی معتبر ہوئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جہاں معاشرے کی کہانی سے جڑت ہے وہاں ناول نگاروں کی تخلیقی تاثیر بھی جو تادیر قائم دکھائی دیتی ہے۔

زریں ناول میں کہانیوں اور کرداروں کی متنوع صورت کے بارے میں لکھتی ہیں:

"ناول میں کسی ایک شخص یا دو، تین، دس، پچاس اشخاص کی زندگی ،ان سبھی کے ایک دوسرے سے تعلقات، میل جول، خیالات اور واقعات کو مفصل طریقے سے پیش کرتا ہے کہ گوشہ ہائے زندگی کا پوشیدہ ترین حصہ بھی صاف نظر آنے لگتا ہے۔ "(19)

وولف ناولوں کے پُرفعال کردار کے بارے میں رقمطراز ہے:

"ناول انسانوں کے متعلق لکھے گئے ہیں اور وہ ہمارے اندر ایسے احساسات ابھارتے ہیں جس کی واقفیت ہم کو یقین کرنے پر مجبور کرتی ہے یعنی وہ حقیقی انسان کی زندگی کا بھرپور اور صداقت شعارانہ ریکارڈ پیش کرتا ہے ۔ " (20)

سرور ناول اور انسانی زندگی کے باہمی تعلق کی گرہ یوں کھولتے ہیں:

"ناول زندگی کی ایک روشن کتاب اور ایک ایسا رتعاش ہے جو پورے زندہ انسان کے اندر لرزش پیدا کر سکتا ہے۔" (21)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اردو ناولوں میں بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی کے خدوخال تلاشتے ہوئے سب سے پہلے بلاشبہ مولوی نذیر احمد کے "مرأۃ العروس" میں شامل اصغری اور اکبری کی کہانی دراصل عروتوں کے بنیادی حقوق بالعموم اور تعلیمی ضرورتوں بالخصوص کے گرد بنی گئی ہے یہیں اسی ناول میں عورتوں کی تربیت، والدین کی ذمہ داری، معاشرتی وابستگی سے جڑے حقوق کی نشاندہی اور نمائندگی ملتی ہے۔یُوں یہ رائے قائم کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ناولوں کی ابتداء ہی انسانی بنیادی حقوق کی علمبرداری سے ہوتی ہے۔مولوی نذیر کے دیگر ناولوں میں "بنات النعش"، عورتوں کے اخلاق و تعلیم ،"توبہ النصوح" اولاد کی تربیت، والدین کی ذمہ داری اور معاشرتی رویوں کی تعمیر،"فسانہ عجائب" شادی جیسی سماجی ذمہ داری سے جڑے حقوق فرائض، سماجی دباؤ اور ذہنی کیفیات کا اظہاریہ،"ابن الوقت" آدابِ معاشرت،"رویائے صادقہ" اصلاح معاشرہ کی ذمہ داریوں اور "ایامیٰ" بیواؤں کے حقوق سے متعلق جب کہ "فسانہ مبتلاً" جاگیر دارانہ نظام کے مقابل غیرت بیگم کی علامت دراصل مزاحمتی رویہ اور بنیادی انسانی حقوق کے علمبردار ناول نگاری کا رویہ کہا جاسکتا ہے۔

پریم چند نے کہانی کے سنگ تخلیقی سفر آغاز کیا تو اس لمحے گردوپیش کے منظرنامے میں عام آدمی کو درپیش مسائل اور سماجی تنازعات کا تجربہ خاصا اہمیت کا حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ناولوں میں ایسے لوگوں کے حقوق اور ان کی مدد کے لیے جدوجہد کی اور معاشرے کے پسے ہوئے طبقات جن میں کسانوں کے ساتھ زمینداروں کی بدسلوکی، ناانصافی اور محرومی بنیادی حیثیت اختیار کی گئی۔پریم چند کے ناولوں کا مجموعی مزاج، بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی کرتا ہوا ملتا ہے جیسے ''اسرار معابد'' میں سماجی مسائل اور اصطلاحات، بیواؤں کی مشکلات، طبقاتی معاملات، "ہم خرما و ہم ثواب" میں مذہبی پابندیوں اور عورتوں کے بنیادی حقوق، "روٹھی رانی" میں جاگیر دارانہ استحصالی نظام کے خلاف علمِ بغاوت اور تحریک مزاحمت، "جلوۂ ایثار" میں دیہاتی زندگی اور دیہی طبقات کے بنیادی حقوق، "بازار حسن" میں عورت اور خصوصاً ایک بازاری عورت کے مسائل و حقوق، "گوشۂ عافیت" میں غریب کسانوں کی جابر اور طاقتور زمینداروں کے مقابل اپنے حقوق کی آواز، "چوگان ہستی" میں معاشی استحصال اور مزدوروں کے حقوق، "پردہ مجاز" میں مذہبی اور سماجی تضاد کے درمیان حقوق کی کوشش، "نرملا" میں عورتوں کے بنیادی حقوق، "غبن" میں متوسط طبقے کی اقتصادی مشکلات اور نظام کے مقابل ایک توانا تحریک، "میدان عمل" میں کاشتکاروں اور مزدوروں کے حقوق کی آواز جب کہ "گئودان" میں کسانوں کی طبقاتی سامراج کے سامنے بے بسی، کسمپرسی اور دم توڑتی کوششوں کی نمائندگی پیش کرتے ہیں۔

اردو ناول میں مزاحمتی رویے کو بنیادی حقوق کی تفہیم، تشہیر اور تعبیر کے لیے پُرفعال انداز میں برتنے والے کہانی کاروں میں کرشن چندر ایک اہم حوالہ ہیں جنہوں نے کہانی کے دونوں بڑے میدانوں ناول نگاری اور افسانہ نگاری میں معاشرتی اور سماجی جڑت کے موضوعات کو کامیابی کے ساتھ برتا ہے۔بحیثیت ناول نگار، ان کا مجموعی مزاج مظلوم دوست، انسانی حقوق کی علمبرداری اور مجبور و بے کس کی آواز بننے کا رہا ہے۔کرشن چندر نے پچاس کے قریب ناول تخلیق کیے جن میں "ایک عورت ہزار دیوانے" میں عورت کی بے بس و لاچار زندگی کی تصویر، "شکست" میں انسانی قدروں کی شکست وریخت، " پہلا پتھر" میں نسلی امتیازات سے منسلک بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کا قصہ، "جب کھیت جاگے" میں مزاحمتی اظہاریہ پورے رچاؤ کے ساتھ کسانوں کی محرومیوں اور استحصال کے لیے کوشاں، اور "چاندی کے گھاؤ" جیسے چند نمائندہ ناولوں میں طبقاتی محرومیوں کے درمیان بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی بہت نمایاں ملتی ہے۔ساٹھ کی دہائی اردو ناولوں میں متنوع موضوعات کے حوالے سے اہم دہائی کہی جاتی ہے جہاں جاگیر دارانہ نظام، سرمایہ دارانہ استحصال، معاشرتی جبر و زیادتی، محروم و مجبور طبقاتی کی کش مکش حیات اور عورتوں سے جڑے مسائل عمومی معاشرت اور کہانی کا بنیادی موضوع تھے۔

رہانی ساٹھ کی دہائی میں ناول نگاری کی حوالے سے لکھتے ہیں:

> "ساٹھ کے دہائی کے دوران زیادہ تر ناول جاگیر دارانہ نظام اور انگریزی سامراجیت کی رد عمل میں لکھے گئے ہیں۔یہ عہد کی اعتبار سے بحرانی رہا ہے: عالمی جنگ کی تباہی، انگریزی سامراجیت، زمینداروں اور سرمایہ داروں کا استحصال، تعلیم اور بین الاقوامی اثرات جیسے تمام موضوعات کو ناولوں کا حصہ کیا ہے۔" (22)

پاشا ناولوں کی ادوار بندی اور بنیادی حقوق کی آوازوں کا باہمی موازانہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "ساٹھ کی دہائی کے بعد ناول نگاروں کی تین کھیپ یا تین نسلیں دکھائی دیتی ہیں: ایک جس نے آزادی سے قبل سفر شروع کیا اور بعد بھی تخلیقی عمل میں مصروف رہی ، دوسری کھیپ کے ناولوں میں احتجاج اور مزامت کی مختلف جہتیں ملتی ہیں جب کہ تیسری نئی نسل کے ناول نگاروں کے پیش نظر سب سے سنگین مسئلے فرقہ وارانہ سیاست اور فاشسٹ قوتوں کی استبداد و عزائم کے خلاف مزاحمت کی پراثر آواز ہے۔ "(23)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اردو ادب کے دامن میں تقسیم نے بہت سے کامیاب و معتبر حوالے رکھے ہیں۔اس تاریخی واقعہ نے جہاں ہجرت کا درد و کشٹ تخلیق اور تخلیق کار کے حوالے کیا وہاں اصنافِ ادب اور خصوصاً ناول نگاری نے بنیادی انسانی حقوق کی علمبرداری کا پُر فعال ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ تقسیم کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں مزاحمت، علامتی اظہاریے کا مضبوط حوالہ بنی اور کئی بڑے ناول تخلیق ہوئے جنہوں نے بنیادی انسانی حقوق کی نمائندگی تخلیقی رچاؤ کے ساتھ پیش کی ہے۔عزیز احمد کے ناول "ہوس" میں حقیقت نگاری اور نفسیاتی دائروں کے درمیان سماجی کرداروں کی کش مکش، "گریز" میں طبقاتی درد والم سے راہ فرار کی نشاندہی دراصل ان کے پسندیدہ موضوعات رہے ہیں اگرچہ انہوں نے براہ راست بنیادی حقوق کی توانا آواز نہیں اٹھائی البتہ کمزور طبقے کی نفسیاتی مجبوریوں کا معاملہ بنیادی حقوق کی سمت رہنمائی کا معاملہ دکھائی دیتا ہے۔ سجاد ظہیر کے ناول "لندن کی ایک رات" میں مغربی معاشرے کی سرمایہ دارنہ روش اور اس کے اثرات کے گرد کہانی بنی گئی ہے جہاں سرمایہ داری کے مضمرات اور طبقاتی ذہنی کیفیات کا نفسیاتی اظہاریہ دکھائی دیتا ہے۔ عصمت چغتائی کے ناول "ٹیڑھی لکیر" اور "ضدی" میں کردار کی بغاوتی سرشت دراصل جمودی طرزِ سماج کے مقابل ایک توانا آواز جیسی ہے جو روایت کا پالن کرنا چاہتا ہے لیکن روایت سے انحراف اور اختلاف کا جواز اور حوصلہ دونوں، اُس کے پاس موجود ہیں جب کہ ناول "معصومہ" ایک متوسط طبقے کی محرومیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ بنی ہوئی ایک سماجی تناظرات کی حامل کہانی ہے۔ قراۃ العین حیدر کا ناول "میرے بھی صنم خانے" اور "چاندنی بیگم" میں جاگیر دارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ استحصال کا اظہاریہ، کرداروں کے درمیان کش مکش اور اختلاف و انحراف کا تصویر کشی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ عبداللہ حسین کے ناولوں "باگھ"، اداس نسلیں"، "قید" اور "نادار لوگ" میں سیاسی اور سماجی منظر ناموں کی ایک وسیع بساط بچھائی گئی ہے۔ شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" میں کمزور طبقے اور محرومیوں سے بھرپور سماجی کی عکاسی ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کی پامالی اور راستہ بنانے کی کوشش مقابل چلتی ہے۔ انیس ناگی کے ناولوں "دیوار کے پیچھے"، انتظار حسین کا "بستی"، انور سین رائے کا "چیخ" ایسے ناولوں میں شمار کیے جا سکتے ہیں جو باقاعدہ طور پر اپنے کرداروں کی زبانی بنیادی انسانی حقوق کی آواز بلند کرتے ہیں۔ عصری ناول نگاروں کی نمائندہ تخلیقات کا جائزہ ہمیں اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہوتا ہے کہ ادب اپنی بنیادی ضرورتوں کے درمیان مزاحمتی اظہاریے اور بنیادی انسانی حقوق کی علمبردار کی ذمہ داریاں نبھانے میں مصروفِ عمل ہے اور آنے والا وقت زمینی اور زمانی بدلاؤ میں جنم لینے والی کہانیوں کے ساتھ زیادہ پُر فعال اور پُر تاثیر ہو کر ادبی ذمہ داریاں نبھاتا ہُوا دکھائی دے گا۔

حوالہ جات و حواشی /References

(1) حسین، سید احتشام (000ء)، "ادب اور تہذیب"، مرتبہ: فرحت اللہ انصاری، لکھنؤ، تنویر پریس، ص 7۔
(2) جالبی، ڈاکٹر جمیل (1986ء)، "ادب، کلچر اور مسائل"، مرتبہ: خاور جمیل، کراچی، پاکستان نیشنل اکیڈمی، ص 16۔
(3) Trilling, Lionel (2008), "The Liberal Imagination: Essays on Literature and Society", New York, The New York Review of Books, p-23
(4) فاروق، راحیل، 2017ء، تخلیقِ فن: ایک نامیاتی نظریہ، اردو گاہ۔ برقی بیاض، ص 1-5۔
(5) آغا، ڈاکٹر وزیر (2005ء)، "تخلیقی عمل"، نیو دہلی، انٹر نیشنل اردو پبلیکیشنز، ص 7۔
(6) عبدالباری، ڈاکٹر سید()، "لکھنؤ کے شعر و ادب کا معاشرتی و ثقافتی پس منظر"، یوپی، جی ایس پی جی کالج لانپور، ص 13۔
(7) MacIver, Robert Morrison & Page, Charles Hunt (1949), "Society: An Introductory Analysis", United States, University of Michigan, p-vii.
(8) چاریہ، شانتی رنجن بھٹا (1982ء)، "اردو ادب اور بنگالی کلچر"، کلکتہ، مغربی بنگال اردو اکاڈمی، ص 9۔
(9) امجد، ڈاکٹر رشید (1995ء)، "مزاحمتی اردو ادب"، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ص 17۔
(10) Harlow, Barbara (1993), "Resistance Literature", London, Taylor & Francis, p-12.
(11) احمد، ابرار (1995ء)، "مزاحمتی ادب"، مشمولہ: اردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، دہلی، اردو اکادمی، ص 65۔
(12) عارف، افتخار (1995ء)، "مزاحمتی اردو ادب"، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ص 16۔

(13) رئیس، قمر(1995ء)،"مزاحمتی ادب"، مشمولہ: اردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، دہلی، اردو اکادمی، ص19۔
(14) ساہو، چرن لال(2004ء)،"اردو ادب میں حقوقِ انسانی اور امن"، مرتبہ: ڈاکٹر نرگس جہاں، دہلی، حسرت موہانی فاؤنڈیشن، ص12۔
(15) جہاں، ڈاکٹر نرگس(2004ء)،"اردو ادب میں حقوقِ انسانی اور امن"، دہلی، حسرت موہانی فاؤنڈیشن، ص18۔
(16) الدین، پروفیسر ظہور، 2021ء، جموں و کشمیر میں اردو افسانہ، چنائی۔انڈیا، والنٹ پبلیکیشنز، ص1۔
(17) اینجلو، مایا، 2018ء، وائرل مواد کی تخلیق کا راز، کینیڈا، میٹ کو گل پبلشرز، ص3۔
(18) ہیمنگوے، ارنسٹ، 2013ء، سٹوری وِد آوٹ اینڈ، بلومنگٹن۔امریکہ، آتھر ہاوس پبلشرز، ص173۔
(19) زریں، ڈاکٹر صالحہ(2000ء)،"اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ"، الہ آباد، صالحہ زریں، ص56۔
(20) وولف، ورجینا(2000ء)،"بیسویں صدی میں اردو ناول"، مصنف: ڈاکٹر یوسف سرمست، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ص11۔
(21) سرور، آل احمد(2011ء)،"نظر اور نظریے"، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص57۔
(22) ربانی، ابو ظہیر (1995ء)،"اردو ناول: 1940ء تا 1960ء"، مشمولہ: اردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، دہلی، اردو اکادمی، ص280۔
(23) پاشا، ڈاکٹر(1995ء)،"اردو ناول: 1960 تا حال"، مشمولہ: اردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے، مرتبہ: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، دہلی، اردو اکادمی، ص290۔